شاعری
ازالہ
اَظہرفراغ

تمام کتب بغیر کسی مالی فائدے کے پی ڈی ایف میں
تبدیل کی جاتی ہیں۔
کتابی مواد کی ذمہ داری مصنف پر ہے۔

03448183736
03145951212

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ازالہ

اظہر فراغ

وراق پبلی کیشنز

وراق

سستی اور معیاری کتابیں

ادبی تنظیم مجلسِ وراق

25 سیکنڈ فلور، تاج آرکیڈ، بالمقابل سروسز ہسپتال لاہور

042-36525005

ہماری کوشش : کتاب دوستی ، فروغِ ادب

ازالہ

یہ کتاب **ازالہ** ادبی تنظیم مجلسِ وراق نے 2016 میں چھپوا کر آپ کی خدمت میں پیش کی
اس کتاب کو حاصل کرنے کے لیے راول حسین سے 0301-6579483 پر رابطہ کیا جا سکتا ہے

ISBN: 978-969-7688-05-0

اشاعت: بار اول 2016
قیمت: 250
زیر اہتمام: وراق — ادبی تنظیم مجلسِ وراق

انتساب

پیارے دوست محمد ندیم خان بھابھہ کے نام

انتساب

دیا مریم اور اس کی ماں کے نام

ترتیب

○ یہ مرحلہ ہے طلب کا نصیب کا نہیں ہے نعت
○ بھلے کوئی بھی نہ تیار ہو وہاں ہو جاؤ سلام
○ کیسے دنیا کا جائزہ لیا جائے
○ باغ سے جھولے اتر گئے
○ اچھے خاصے لوگوں پر بھی وقت اک ایسا آجاتا ہے
○ وہ جو اک شخص مجھے طعنہء جاں دیتا ہے
○ ٹھہرنا بھی مرا جانا شمار ہونے لگا
○ تری فضیلت کو اس لئے بھی مرے حوالے سے جانا جائے
○ بھنور سے یہ جو مجھے بادبان کھینچتا ہے
○ تنگیِ رزق سے ہلکان رکھا جائے گا کیا
○ ملاحوں کا تو بس دانہ پانی ہے
○ میں رواں دائرے میں رہ گیا ہوں
○ ذرا سی دیر ٹھہر کر سوال کرتے ہیں
○ یہ بھی موسم کی کوئی سازش نہ ہو

○ پلنگ ایک الگ لحاف

○ دوش دیتے رہے بے کار ہی طغیانی کو

○ یار بچا یار نہیں رہ گئے

○ شبِ فراق کا منظر نہیں بدلنے دیا

○ ترمیمِ خال وخد کا وسیلہ نہیں رہا

○ رنجِ انکار اٹھائیں گے نہیں

○ رو پڑے عرضِ حال سن کر کیا

○ سارا قرضِ ہنر چکا دیا ہے

○ سر پہ رکھی ہوئی دستار کسی اور کی تھی

○ ترے بعد کوئی بھی غم اثر نہیں کر سکا

○ مصالحت سے یہ قصہ نمٹ بھی سکتا ہے

○ محبتوں میں نئے طرزِ انتقام کی شام

○ مڑ کے تکتے نہیں پتوار کو لوگ

○ ایک طرف تقسیم اضافی ہو سکتی ہے

○ اب بھلے دیکھتا رہے جس کو

○ اسی لیے ترے دعووں پہ مسکرا رہے ہیں

○ بتا رہا ہے جھٹکنا تری کلائی کا

○ دھوپ میں سایہ بنے تنہا کھڑے ہوتے ہیں

○ ڈرے ہوئے ہیں سبھی لوگ ابر چھانے سے

○ فکرو جنوں کی بحث ہو یا حرفِ ناقدانہ ہو

○ گو اس کا جرم تو نا قابل معافی ہے

○ ہوا کے رخ پہ دیا دھر نہیں گیا تھا میں

○ ہماری طرح محبت کا فلسفہ سمجھے

○ ہمارے بارے میں تجھ بھنور کو مغالطہ ہے

○ جو خوشی جو تیری رضا میاں تری خیر ہو

○ جاتے ہوئے نہیں رہا پھر بھی ہمارے دھیان میں

○ کمی ہے کون سی گھر میں دکھانے لگ گئے ہیں

○ کوئی بھی شکل بنا دیں ہمیں اجازت ہے

○ کوئی رستہ نکالنا پڑے گا

○ لگتا تو نہیں الماری سے

○ ایسی خوش قسمتی کا کیا کیجے

○ کوئی سلسلہ نہیں جاوداں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

○ بپا یہ ظلم کسی حال میں نہیں کرتے

○ بہت ہی مہنگی مجھے اپنی زندگانی پڑی

○ کوششیں کر کے دل برا کیا تھا

○ اس لیے مجھ کو میسر تو کہیں بھی نہیں ہے

○ چاہے آغاز اب انجام سے کرنا پڑ جائے

○ اسی منظر کو پھر دوبارہ بنا

○ چہرہ پھولوں کی طرح دھیان میں رکھا گیا ہے

○ کس کس سے کر کے اس کو خبر دار جانے دوں

○ کیوں نہ بے فکر ہو کے سویا جائے

○ ہر شیشے کا ڈر ہے بھیا

○ سوچا ہے کیا معاوضہ سائے کا آپ نے

○ اٹھ گیا رزق لا مکاں سے بھی

○ یہی نہیں کہ یہ تعبیر کا معاملہ ہے

○ کیا کچھ نہیں تھا بس میں مگر دل نہیں کیا

○ کتنا کہتے تھے تجھے بھائی سمجھ

○ جتنے دن چاہے وہ آ کر یہاں مہمان رہے

○ خاک اب ٹوٹے رشتے میں مضبوطی پہلے والی ہے

○ دیواریں چھوٹی ہوتی تھیں لیکن پردہ ہوتا تھا

○ مل گیا تو مجھے میرا نہیں رہنے دے گا

○ اس لب کی خامشی کے سبب ٹوٹتا ہوں میں

○ وہ جو اک شخص تھا اک ذات تھی ویسے نہیں تھی

○ عمر ہم لوگ کہاں کاٹتے ہیں

○ کوئی بھی شکل مرے دل میں اتر سکتی ہے

○ ہر شیشے کا ڈر ہے بھیا

○ سب کو تھوڑی مرا یقیں آیا

○ نظر کی حد سے نکل کر جمال دیکھنا تھا

○ فردیات

نعت

یہ مرحلہ ہے طلب کا نصیب کا نہیں ہے
وگرنہ کس پہ درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھلا نہیں ہے

نظر سے دل کی مسافت پہ ہے مدینہ مجھے
کسی بھی دشت نوردی کا فائدہ نہیں ہے

اب اس سے بڑھ کے ہو تبلیغ کیا محبت کی
ترے عدو کو بھی تجھ سے کوئی گلہ نہیں ہے

یہ راز صرف ثنا خوان جانتے ہیں ترے
سخن کو ہے تری توصیف کو فنا نہیں ہے

ابھی وہ بابِ کرم مجھ پہ وا ہوا ہی تھا
میں یہ بھی بھول گیا میرے پاس کیا نہیں ہے

ترے سبب سے مرے رابطے میں رہتی ہے
وہ ایک ذات مرا جس سے سامنا نہیں ہے

سلام

بھلے کوئی بھی نہ تیار ہو وہاں ہو جاؤ
جہاں بھی ظلم سے انکار ہو وہاں ہو جاؤ

بغیر اوٹ کے جلتے ہوئے دیے کو سلام
جب اذن ہے جہاں دیوار ہو وہاں ہو جاؤ

یہاں کسی کو مراعات ملنے والی نہیں
اگر زیادہ سمجھدار ہو وہاں ہو جاؤ

ہمارے پاس سوائے دلیل کچھ بھی نہیں
تو جس کے ہاتھ میں تلوار ہو وہاں ہو جاؤ

حسین تیری اطاعت سے ہم نے سیکھا ہے
جہاں بھی راستہ دشوار ہو وہاں ہو جاؤ

کیسے دنیا کا جائزہ لیا جائے
دھیان تجھ سے اگر ہٹا لیا جائے

تیز آندھی میں یہ بھی کافی ہے
پیڑ تصویر میں بچا لیا جائے

یہ خموشی مری خموشی ہے
اس کا مطلب مکالمہ لیا جائے

ایک ہونے کی قسمیں کھائی جائیں
اور آخر میں کچھ دیا لیا جائے

ہم جسے چاہے اپنا کہتے رہیں
وہی اپنا ہے جس کو پا لیا جائے

کیوں نہ آج اپنی بے بسی کا فراغ
دور سے بیٹھ کر مزہ لیا جائے

باغ سے جھولے اتر گئے
سندر چہرے اتر گئے

وصل کے ایک ہی جھونکے میں
کان سے بالے اتر گئے

گھر میں کس کا پاؤں پڑا
چھت سے جالے اتر گئے

لٹک گئے دیوار سے ہم
سیڑھی والے اتر گئے

بھاگوں والی بستی تھی
جہاں پرندے اتر گئے

گاڑی پھر بھی رواں رہی
ہم پٹڑی سے اتر گئے

بھینٹ چڑھے تم عجلت کی
پیڑ سے کچے اتر گئے

ڈول وہیں پر پڑا رہا
چاہ میں پیاسے اتر گئے

تجھ سے کچھ اور تعلق بھی ضروری ہے مرا
یہ محبت تو کسی وقت بھی مر سکتی ہے

اچھے خاصے لوگوں پر بھی وقت اک ایسا آجاتا ہے
اور کسی پر ہنستے ہنستے خود پر رونا آجاتا ہے

کبھی کبھی تو اس کے پیار سے ہمدردی کی بو آتی ہے
کبھی کبھی تو اس کے پیار پہ مجھ کو غصہ آجاتا ہے

ویسے تو ایمان ہے میرا ان باہنوں کی گنجائش پر
دیکھنا یہ ہے اس کشتی میں کتنا دریا آجاتا ہے

پھر اپنی آہستہ روی بھی زعم کا باعث بن جاتی ہے
انگلی تھام کے چلتے چلتے آخر چلنا آجاتا ہے

ہوتے ہوتے محرومی کی عادت کیسے ہو جاتی ہے
آدھا رزق ہمارے گھر میں کیسے پورا آجاتا ہے

وہ جو اک شخص مجھے طعنہء جاں دیتا ہے
مرنے لگتا ہوں تو مرنے بھی کہاں دیتا ہے

تیری شرطوں پہ ہی کرنا ہے اگر تجھ کو قبول
یہ سہولت تو مجھے سارا جہاں دیتا ہے

تم جسے آگ کا تریاق سمجھ لیتے ہو
دینے لگ جائے تو پانی بھی دھواں دیتا ہے

جم کے چلتا ہوں زمیں پر جو میں آسانی سے
یہ ہنر مجھ کو مرا بارِ گراں دیتا ہے

ہاں اگر پیاس کا ڈھنڈورا نہ پیٹا جائے
پھر تو پیاسے کو بھی آواز کنواں دیتا ہے

ٹھہرنا بھی مرا جانا شمار ہونے لگا
پڑے پڑے میں پرانا شمار ہونے لگا

بہت سے سانپ تھے اس غار کے دہانے پر
دل اس لیے بھی خزانہ شمار ہونے لگا

ہجوم سارا رہا کر دیا گیا لیکن
مرا ہی شور مچانا شمار ہونے لگا

پھر ایسے ہاتھ سے مانوس ہو گئی تسبیح
گنے بغیر بھی دانہ شمار ہونے لگا

وہ سنگ جس کو حقارت سے رات بھر دیکھا
سحر ہوئی تو سرہانا شمار ہونے لگا

بھلا ہو ان کا جو مجھ کو ترا سمجھتے ہیں
مرا بھی کوئی ٹھکانہ شمار ہونے لگا

تری فضیلت کو اس لئے بھی مرے حوالے سے جانا جائے
دیا ضروری ہے پہلے پہلے جلانے والے سے جانا جائے

بہت غنیمت ہیں ہم سے ملنے کبھی کبھی کے یہ آنے والے
وگرنہ اپنا تو شہر بھر میں مکان تالے سے جانا جائے

شجر سے میں نے جو شاخ کاٹی شجر بنانے کی ٹھان لی ہے
مری خطا کو خدارا اب تو مرے ازالے سے جانا جائے

یہی تو دریا کو ترک کر کے یہاں تک آنے میں مصلحت ہے
کہ میرے حصے کی تشنگی کو ترے پیالے سے جانا جائے

بڑی اذیت کے بعد آتا ہے آشنائی کا یہ قرینہ
جو خار رستے میں آئے اس کو اسی کے چھالے سے جانا جائے

بصارتوں کو بصیرتوں کی سند نوازی گئی ہے اظہر
یہی نہ ہو شہرِ کم نظر میں سفید کالے سے جانا جائے

بھنور سے یہ جو مجھے بادبان کھینچتا ہے
ضرور کوئی ہواؤں کے کان کھینچتا ہے

کسی بدن کی تمازت نڈھال کرتی ہے
کسی کے ہاتھ کا تکیہ تھکان کھینچتا ہے

دکھا رہا ہے خریدار بن کے آج مجھے
جسے لپیٹ کے رکھوں وہ تھان کھینچتا ہے

نشست کے تو طلب گار ہی نہیں ہم لوگ
ہمارے پاؤں سے کیوں پائدان کھینچتا ہے

بدل کے دیکھ چکی ہے رعایا صاحبِ تخت
جو سر قلم نہیں کرتا زبان کھینچتا ہے

یہ سارا جھگڑا ترے انہماک کا ہی تو ہے
سمیٹتا ہے کوئی داستان کھینچتا ہے

چراغوں میں وہ چراغ اس لیے نمایاں ہے
ہم ایسے دیکھنے والوں کا دھیان کھینچتا ہے

منظرِ شامِ غریباں ہے دمِ رخصتِ خواب
تعزیے کی طرح اٹھا ہے کوئی بستر سے

تنگیٔ رزق سے ہلکان رکھا جائے گا کیا
دو گھروں کا مجھے مہمان رکھا جائے گا کیا

تجھے کھو کر تو تری فکر بہت جائز ہے
تجھے پا کر بھی ترا دھیان رکھا جائے گا کیا

کس بھروسے پہ اذیت کا سفر جاری ہے
دوسرا مرحلہ آسان رکھا جائے گا کیا

خوف کے زیرِ اثر تازہ ہوا آئے گی
اب دریچے پہ بھی دربان رکھا جائے گا کیا

درد کا شجرہ دکھانے کے لیے مقتل میں
ساتھ خنجر کے نمک دان رکھا جائے گا کیا

چل ترا مان رکھا میں نے تقاضا چھوڑا
چپ رہوں گا تو مرا مان رکھا جائے گا کیا

مان بھی لے کہ تجھے میں نے بہت چاہا ہے
دوست سر پر مرے قرآن رکھا جائے گا کیا

وہ اک سخن جو زباں کو نہ دستیاب ہوا
وہ ایک پھول جسے شاخ سے اتارا نہیں

ملاحوں کا تو بس دانہ پانی ہے
کشتی بھی اس کی ہے جس کا پانی ہے

پیاس کی پیدائش توکل کا قصہ ہے
اس دھرتی کا پہلا بیٹا پانی ہے

رونے والے نے تاخیر سے کام لیا
لگتا ہے تالاب میں پچھلا پانی ہے

اس دریا کو ڈوب کے سننا پڑتا ہے
آوازوں سے ملتا جلتا پانی ہے

بڑی نہیں ہے ورنہ موج سمندر سے
اس کی خوبی یہ ہے چلتا پانی ہے

تیرے میرے کھیتوں کا یارانہ ہے
اور اک ہم ہیں اپنا جھگڑا پانی ہے

میں رواں دائرے میں رہ گیا ہوں
اس لیے راستے میں رہ گیا ہوں

ہر خسارے کو سوچ رکھا تھا
میں بہت فائدے میں رہ گیا ہوں

سر جھٹکنے سے کچھ نہیں ہو گا
میں ترے حافظے میں رہ گیا ہوں

گم ہوا تھا کسی پڑاؤ میں
دوسرے قافلے میں رہ گیا ہوں

میں جری تو عدو سے کم نہیں تھا
بس ذرا تجربے میں رہ گیا ہوں

میں کسی داستاں سے ابھروں گا
میں کسی تذکرے میں رہ گیا ہوں

ذرا سی دیر ٹھہر کر سوال کرتے ہیں
سفر سے آئے ہوؤں کا خیال کرتے ہیں

میں جانتا ہوں مجھے مجھ سے مانگنے والے
پرائی چیز کا جو لوگ حال کرتے ہیں

زمانہ ہو گیا حالانکہ دشت چھوڑے ہوئے
ہمارے تذکرے اب بھی غزال کرتے ہیں

وہ دستیاب ہمیں اس لیے نہیں ہوتا
ہم استفادہ نہیں دیکھ بھال کرتے ہیں

وہ عشق جس کے گنے جا چکے ہیں دن اظہر
ہم اس چراغ کی سانسیں بحال کرتے ہیں

یہ بھی موسم کی کوئی سازش نہ ہو
ابر ہو لیکن یہاں بارش نہ ہو

اس قدر بھی چاہنا کیا چاہنا
عشق شدت سے ہو اور خواہش نہ ہو

ایسی غربت کو خدا غارت کرے
پھول بھجوانے کی گنجائش نہ ہو

تم تو یوں ضد پر اتر آئے ہو آج
آخری خواہش ہو فرمائش نہ ہو

گل کو خوشبو سے اگر ناپا گیا
عمر بھر ممکن ہے پیمائش نہ ہو

پلنگ ایک الگ لحاف
قبولیت نہ انحراف

بچھڑنا چاہیئے ہمیں
تو یوں کہو نہ صاف صاف

اگر تو تیغ پھینک دے
تجھے مرا لہو معاف

ادھر ذرا سی بات کی
ادھر کسی کا موڈ آف

اتر کے جھیل میں بھی ہم
ہیں زیرِ آب ناف ناف

پرانی آشنائی پر
بہت بچے گا اختلاف

وہ کیا کتاب کھولتے
جو چومتے رہے غلاف

گرتے پیڑوں کی زد میں ہیں ہم لوگ
کیا خبر راستہ کھلے کب تک

دوش دیتے رہے بے کار ہی طغیانی کو
ہم نے سمجھا نہیں دریا کی پریشانی کو

یہ نہیں دیکھتے کتنی ہے ریاضت کس کی
لوگ آسان سمجھ لیتے ہیں آسانی کو

بے گھری کا مجھے احساس دلانے والے
تو نے برتا ہے مری بے سرو سامانی کو

شرمساری ہے کہ رکنے میں نہیں آتی ہے
خشک کب تک کوئی کرتا رہے پیشانی کو

آپ سے کس نے طلب کی ہے جنوں پر رائے
چھوڑیئے آپ مری چاک گریبانی کو

جیسے رنگوں کی بخیلی بھی ہنر ہو اظہر
غور سے دیکھئے تصویر کی عریانی کو

یار بجا یار نہیں رہ گئے
راستے ہموار نہیں رہ گئے

خیر پرندے تو پلٹ آئیں گے
لوگ تو اس پار نہیں رہ گئے

تم جہاں تصویر بنے بیٹھے ہو
ہم وہاں دیوار نہیں رہ گئے

یہ تو ازالہ ہے نئے زخم کا
اور جو آزار نہیں رہ گئے

وقت سے پہلے ہوئے تیار ہم
وقت پہ تیار نہیں رہ گئے

شکر ہے اچھا ہے مرا حافظہ
ورنہ اب آثار نہیں رہ گئے

شبِ فراق کا منظر نہیں بدلنے دیا
کوئی چراغ جلایا نہ میں نے جلنے دیا

ہم اس کا ردِ عمل جانتے تھے پہلے سے
سو ہم نے گیند زیادہ نہیں اچھلنے دیا

دلیل اس کے دریچے کی پیش کی میں نے
کسی کو پتلی گلی سے نہیں نکلنے دیا

پھر اس کے بعد گلے سے لگا لیا میں نے
خلاف اپنے اسے پہلے زہر اگلنے دیا

یہ لوگ جا کے کٹی بوگیوں میں بیٹھ گئے
سمے کو ریل کی پٹڑی کے ساتھ چلنے دیا

ترمیمِ خال و خد کا وسیلہ نہیں رہا
کوزہ اتر کے چاک سے گیلا نہیں رہا

سائے کو رونے والے مسافر کو کیا خبر
پھل بھی اب اس شجر کا رسیلا نہیں رہا

اب تو ہمارے نام سے پہچانیے ہمیں
اب تو ہمارا کوئی قبیلہ نہیں رہا

آباد کر دیا ہے بگولوں نے دشت کو
اب رہگزر میں کوئی بھی ٹیلا نہیں رہا

نوکیلے پتھروں پہ زوال آ گیا فراغ
آہنگ آبجو کا سریلا نہیں رہا

رنجِ انکار اٹھائیں گے نہیں
سلسلہ اور بڑھائیں گے نہیں

موت کی دوسری کوشش پر لوگ
مرنے والے کو بچائیں گے نہیں

باز رہیے ابھی انگڑائی سے آپ
ورنہ تصویر میں آئیں گے نہیں

کیسے فطرت سے بغاوت کر لیں
خاک ہیں خاک اڑائیں گے نہیں

ہم اگر تیرا بھرم رکھ بھی لیں
لوگ لوگوں سے چھپائیں گے نہیں

ہم پلٹتا ہوا دیکھیں گے تمہیں
ہم چراغوں کو بجھائیں گے نہیں

فائدہ ترکِ مراسم کا فراغ
ہم اسے بھول تو پائیں گے نہیں

کون میرے رستے سے مجھ سے پہلے گزرا ہے
کس کی گردِ پا ہے جو میرے منہ کو آتی ہے

❁

رو پڑے عرضِ حال سن کر کیا
ہاتھ سے گر گیا رسیور کیا

لوگ اٹھ اٹھ کے دیکھنے لگ جائیں
بیٹھ جاؤں ترے برابر کیا

آپ کے تجربے پہ حیرت ہے
ایسا ہوتا نہیں ہے اکثر کیا

مانگتے ہو مری نمو کا ثبوت
عینی شاہد نہیں ہیں پتھر کیا

ہم اگر اب کے سال بھی نہ ملے
پھر ادھیڑو گی تم سویٹر کیا

اس تبرک کو بھی غنیمت جان
جو میسر ہے اس سے بہتر کیا

سارا قرضِ ہنر چکا دیا ہے
لفظ کو راستہ بنا دیا ہے

بے خیالی میں جس کو پایا تھا
ڈھونڈنے میں اسے گنوا دیا ہے

احتیاطِ فصیل و در کیسی
جب کرایہ مکان کا دیا ہے

رک گئے ہیں جہاں سے روکا گیا
لگ گئے ہیں جہاں لگا دیا ہے

رت بدلنے کی دیر تھی اظہر
دھوپ نے چھاؤں کا مزہ دیا ہے

سر پہ رکھی ہوئی دستار کسی اور کی تھی
اصل میں ہار مری ہار کسی اور کی تھی

ہم تو بس اس میں سکونت کے گنہگار رہے
در کسی اور کا دیوار کسی اور کی تھی

ہم کو حاصل تھی تو بس پیڑ کی چھاؤں کچھ دیر
پیڑ پر شاخِ ثمر بار کسی اور کی تھی

میں نبرد آزما خود سے تھا بہت پہلے سے
رائے لیکن مجھے درکار کسی اور کی تھی

دستیابی کے سبھی مرحلے طے کر کے بھی
زندگی پھر بھی طلب گار کسی اور کی تھی

ترے بعد کوئی بھی غم اثر نہیں کر سکا
کوئی سانحہ مری آنکھ تر نہیں کر سکا

مجھے علم تھا مجھے کم پڑے گی یہ روشنی
سو میں انحصار چراغ پر نہیں کر سکا

مجھے جھوٹ کے وہ جواز پیش کیے گئے
کسی بات پر میں اگر مگر نہیں کر سکا

مرے آس پاس کی مفلسی مری معذرت
ترا انتظام میں اپنے گھر نہیں کر سکا

کئی پیکروں کو مرے خیال نے شکل دی
جنہیں رونما مرا کوزہ گر نہیں کر سکا

مجھے چال چلنے میں دیر ہو گئی اور میں
کوئی ایک مہرہ ادھر ادھر نہیں کر سکا

مصالحت سے یہ قصہ نمٹ بھی سکتا ہے
لباس صلح کرانے میں پھٹ بھی سکتا ہے

تم اپنے کرب کا اظہار کر بھی سکتی ہو
پیاز کاٹ کے یہ وقت کٹ بھی سکتا ہے

تو جس کی فتح کے نعرے لگانا چاہتا ہے
خراج لے کے وہ لشکر پلٹ بھی سکتا ہے

ہے اختیار میں تھوڑی گناہِ عالم وجد
کسی سے آدمی جا کر لپٹ بھی سکتا ہے

اگر تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے جنگل میں
یہ خیمہ حسبِ ضرورت سمٹ بھی سکتا ہے

محبتوں میں نئے طرزِ انتقام کی شام
کسی کے ساتھ گزاری کسی کے نام کی شام

ازالہ ہو گیا تاخیر سے نکلنے کا
گزر گئی ہے سفر میں مرے قیام کی شام

نہ کوئی خواب دکھایا نہ کوئی عہد کیا
بدن ادھار لیا بھی تو اس سے شام کی شام

مسافروں کے لیے دشت کیا سرائے کیا
ہمیں تو ایک سی لگتی ہے ہر مقام کی شام

مٹائے گی مری تکمیل کی سحر مجھ کو
بنا رہی ہے مجھے میرے انہدام کی شام

مڑ کے تکتے نہیں پتوار کو لوگ
ایسے جاتے ہیں ندی پار کو لوگ

سائے کا شکر ادا کرنا تھا
سجدہ کرتے رہے دیوار کو لوگ

میں تو منزل کی طرف دیکھتا ہوں
دیکھتے ہیں مری رفتار کو لوگ

آئنہ میرے مقابل لائے
خوب سمجھے مرے معیار کو لوگ

نام لکھتے ہیں کسی کا لیکن
دکھ بتاتے نہیں اشجار کو لوگ

ایک طرف تقسیم اضافی ہو سکتی ہے
ماں سے بھی تو ناانصافی ہو سکتی ہے

مری نمو ہے ترے تغافل سے وابستہ
کم بارش بھی مجھ کو کافی ہو سکتی ہے

ان پھولوں کی پتی پتی زہریلی ہے
لیکن ان کی خوشبو شافی ہو سکتی ہے

صدیوں سے ساحل پہ رکھا میں خالی کوزہ
بھرنے سے بھی کہاں تلافی ہو سکتی ہے

اس پیچیدہ رشتے میں آسانی یہ ہے
حسبِ ضرورت وعدہ خلافی ہو سکتی ہے

اب بھلے دیکھتا رہے جس کو
نظر آئے نہ ہم کھڑے جس کو

ھائے وہ بھیگا ریشمی پیکر
تولیہ کھردرا لگے جس کو

دل کو اتنا سجا کے پھینکا ہے
چوم کر رکھ نہ دے ملے جس کو

کم نگاہو یہی مناسب ہے
دور جتنا دیا پڑے جس کو

ہم اسے پوچھ تھوڑی سکتے ہیں
اسکی مرضی جہاں رکھے جس کو

کرچی کرچی سمیٹتا ہوں اسے
توڑ دیتے ہیں آئینے جس کو

شاہ زادی ہو یا کنیز فراغ
رنگ اس شوخ کا جچے جس کو

اب تو اس شخص سے بھی ترکِ تعلق ہے محال
تیرے دھوکے میں جسے دل سے لگایا ہوا ہے

اسی لیے ترے دعوؤں پہ مسکرا رہے ہیں
ہم اپنا ہاتھ تری پشت سے اٹھا رہے ہیں

بس اپنی خوش نظری کا بھرم رکھا ہوا ہے
شکستہ آئینے ترتیب سے لگا رہے ہیں

وہ خود کہاں ہے، جو نغمہ سرا ہے صدیوں سے
یہ کون ہیں جو فقط اپنے لب ہلا رہے ہیں

ہوئے ہیں دیر سے ہموار زندگی کے لیے
ضرور ہم کسی لشکر کا راستہ رہے ہیں

ابھی کسی کی خوشی میں شریک ہونا ہے
ابھی کسی کے جنازے سے ہو کے آ رہے ہیں

بتا رہا ہے جھٹکنا تری کلائی کا
ذرا بھی رنج نہیں ہے تجھے جدائی کا

اور ایک ہم ہیں کہ ہموار کر رہے ہیں زمیں
زمانہ آ بھی چکا فصل کی کٹائی کا

تری طلب کے قرینے کو داد دیتا ہوں
گمان میری سخاوت پہ ہے گدائی کا

میں زندگی کو کھلے دل سے خرچ کرتا تھا
حساب دینا پڑا مجھ کو پائی پائی کا

کسی کے گھر میں گرے گیند کی طرح اظہر
عطا ہوا ہے ہمیں سلسلہ رسائی کا

دھوپ میں سایہ بنے تنہا کھڑے ہوتے ہیں
بڑے لوگوں کے خسارے بھی بڑے ہوتے ہیں

ایک ہی وقت میں پیاسے بھی ہیں سیراب بھی ہیں
ہم جو صحراؤں کی مٹی کے گھڑے ہوتے ہیں

یہ جو رہتے ہیں بہت موج میں شب بھر ہم لوگ
صبح ہوتے ہی کنارے پہ پڑے ہوتے ہیں

ہجر دیوار کا آزار الگ اپنی جگہ
اس کے اوپر بھی کئی کانچ جڑے ہوتے ہیں

آنکھ کھلتے ہی جبیں چومنے آجاتے ہیں
ہم اگر خواب میں بھی تم سے لڑے ہوتے ہیں

ہے ملال ایسے ہمیں باغ کی ویرانی کا
جیسے ہم لوگ درختوں سے جھڑے ہوتے ہیں

ڈرے ہوئے ہیں سبھی لوگ ابر چھانے سے
وہ آئی بام پہ کیا دھوپ کے بہانے سے

وہ قصہ گو تو بہت جلد باز آدمی تھا
بہت سی لکڑیاں ہم رہ گئے جلانے سے

نظر تو ڈال روانی کی استقامت پر
یہ آبشار ہے کہسار کے گھرانے سے

مسافرانِ محبت سے مجھے معاف کریں
میں باز آیا انہیں راستہ دکھانے سے

اگر میں آخری بازی نہ کھیلتا اظہر
تو خالی ہاتھ نہ آتا قمار خانے سے

❁

فکر و جنوں کی بحث ہو یا حرفِ ناقدانہ ہو
غالب کو رد تو وہ کرے پہلے جو خود یگانہ ہو

مجھ سے سبک خرام کا ہونا ہے ہمسفر تجھے
چلنا ہے میرے ساتھ تو یوں کر کہ تو روانہ ہو

آرائش خیال کی خوبی یہی تضاد ہے
کچھ کچھ بہت جدید ہو کچھ کچھ بہت پرانا ہو

اپنی اڑائی خاک کو یکجا کروں گا چاک پر
ممکن ہے عذرِ عشق سے تدبیرِ آب و دانہ ہو

پیشہ ورانِ عشق و شوق کیجے نہ وقت رائگاں
ایسا کھنڈر نہیں ہوں میں جس میں کوئی خزانہ ہو

گو اس کا جرم تو ناقابل معافی ہے
خود آگیا ہے مرے پاس چل کے کافی ہے

غلط نہ جان مری دوسری محبت کو
یقین کر یہ ترے ہجر کی تلافی ہے

ہر ایک شے کی ضرورت بلا ضرورت ہے
ہوس نہ ہو تو یہ لگتا ہے سب اضافی ہے

عجیب ظرف ہے اظہر مرے بزرگوں کا
کہ حق پہ بولنا تہذیب کے منافی ہے

ہوا کے رخ پہ دیا دھر نہیں گیا تھا میں
بچھڑ گیا تھا کوئی مر نہیں گیا تھا میں

یہ اور بات کہ میں نامراد لوٹ آیا
مگر قطار میں لگ کر نہیں گیا تھا میں

سبھی نے دیکھا مجھے اجنبی نگاہوں سے
کہاں گیا تھا اگر گھر نہیں گیا تھا میں

ہوا ضرور تھا اوجھل نگاہ سے لیکن
گئے ہوؤں کے برابر نہیں گیا تھا میں

پرائے کرب کی تحویل میں دیا گیا تھا
خوشی سے آگ کے اندر نہیں گیا تھا میں

مرے خلا پہ زمانوں کی گرد صرف ہوئی
پلک جھپکتے ہوئے بھر نہیں گیا تھا میں

ہماری طرح محبت کا فلسفہ سمجھے
نئے سے کون پرانے کو دیر پا سمجھے

اسے کہو جو بلاتا ہے گہرے پانی میں
کنارے سے بندھی کشتی کا مسئلہ سمجھے

ہمارا کیا ہے ہمیں تو فرار چاہیے تھا
دراڑ تھی جسے ہم بابِ نیم وا سمجھے

مجھے پتہ ہے کہ کس در کو کھٹکھٹانا ہے
مری طلب کو زمانہ مری عطا سمجھے

بچھڑنے پر مجھے مجبور کر دیا گیا تھا
یہ اور بات کوئی اس کو فیصلہ سمجھے

تعین اس لیے ہم کو ہے سہل سمتوں کا
اندھیرے میں تری آواز کو دیا سمجھے

ہمارے بارے میں تجھ بھنور کو مغالطہ ہے
ہمیں کسی کی اداس آنکھوں کا تجربہ ہے

گھٹن تو ہو گی نئی نئی راہداریوں میں
مگر حویلی کا ایک کمرہ بہت کھلا ہے

روا روی میں کہانی سنتے چلے گئے ہیں
یہ بات ویسے سنانے والا بھی جانتا ہے

ہوا تو آتی ہے خشک شاخوں سے چھن کے لیکن
شجر ضعیفی کے مارے مجھ پر جھکا ہوا ہے

بتانا پڑتا ہے اس کی آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر
کہ کتنا مشکل ہماری آنکھوں سے دیکھنا ہے

تو کیا ہوا جو ہمیں بھی درپیش ہے مسافت
یہ ناؤ یوں بھی سمندروں کی ملازمہ ہے

جو خوشی جو تیری رضا میاں تری خیر ہو
تو بچھڑ رہا ہے تو جا میاں تری خیر ہو

خبر آ نہیں رہی خیر کی کسی سمت سے
مجھے جب سے اس نے کہا میاں تری خیر ہو

کہیں یہ نہ ہو کوئی تجھ شجر کو بھی کاٹ دے
تو بچا ہے گھر میں بڑا میاں تری خیر ہو

مجھے مت بتا کہ یہ رات پھر نہیں آئے گی
مجھے دھوکہ دے کے سلا میاں تری خیر ہو

تری بزم میں مرا یوں بھی کون ہے آشنا
بھلے جوتیوں پہ بٹھا میاں تری خیر ہو

تو عدو نہیں تو مرے حساب میں دوست ہے
ترے نام سے مجھے کیا میاں تری خیر ہو

جاتے ہوئے نہیں رہا پھر بھی ہمارے دھیان میں
دیکھی بھی ہم نے مچھلیاں شیشے کے مرتبان میں

ساتھ ضعیف باپ کے لگ گئیں کام کاج پر
گہنے چھپا کے لڑکیاں دادی کے پان دان میں

گھنٹی بجا کے بھاگتے بچوں کو تھوڑی علم ہے
رہتا نہیں ہے کوئی بھی آدمی اس مکان میں

پہلے بھی اپنی جھولیاں جھاڑ کر اٹھ گئے تھے ہم
ایسی ہی ایک رات تھی ایسی ہی داستان میں

یعنی مجال کچھ نہیں ذروں کے اجتماع کی
یعنی سبھی مہ و نجوم ایک ہی خاندان میں

اتنا بھی مختلف نہیں میرا تمہارا تجربہ
جیسے کہ تم مقیم ہو اور کسی جہان میں

کمی ہے کون سی گھر میں دکھانے لگ گئے ہیں
چراغ اور اندھیرا بڑھانے لگ گئے ہیں

یہ اعتماد بھی میرا دیا ہوا ہے تجھے
جو میرے مشورے بے کار جانے لگ گئے ہیں

فضا بدل گئی اندر سے ہم پرندوں کی
جو بول تک نہیں سکتے تھے گانے لگ گئے ہیں

وہ پہلے تنہا خزانے کے خواب دیکھتا تھا
اب اپنے ہاتھ بھی نقشے پرانے لگ گئے ہیں

نہیں بعید کہ جنگل میں شام پڑ جائے
ہم ایک پیڑ کو رستہ بتانے لگ گئے ہیں

کہیں ہمارا تلاطم تھمے تو فیصلہ ہو
ہم اپنی موج میں کیا کیا بہانے لگ گئے ہیں

کوئی بھی شکل بنا دیں ہمیں اجازت ہے
ہمارا مسئلہ معدوم کی وضاحت ہے

مجھے بھی ناؤ میں گننے کا شکریہ لیکن
قریب کا یہ جزیرہ برائے خلقت ہے

یہ کچے سیب چبانے میں اتنے سہل نہیں
ہمارا صبر نہ کرنا بھی ایک ہمت ہے

ہیں نرخ ایک سے بازارِ حسن و حرمت کے
وہی بدن کی وہی پیرہن کی قیمت ہے

بچا نہیں کوئی مصرف کسی اجالے کا
چراغ کے لیے بے کار کی اذیت ہے

کوئی رستہ نکالنا پڑے گا
آگ میں ہاتھ ڈالنا پڑے گا

خود کو تیرے سپرد کیا کیجے
پھر تجھے بھی سنبھالنا پڑے گا

ایک خط ہے خطوں میں رکھا ہوا
سارا ماضی کھنگالنا پڑے گا

مانگنے میں اگر کمی نہ ہوئی
کم سے کم پر تو ٹالنا پڑے گا

مسکرانا سکھا رہا ہوں تجھے
اب ترا دکھ بھی پالنا پڑے گا

لگتا تو نہیں الماری سے
وہ شخص گیا تیاری سے

سچ پوچھ تو بے ایمانی ہے
ہر عشق دیانتداری سے

تاخیر گوارہ کر لیتے
تو بچ جاتے دشواری سے

کچھ پھول ابھرے خود کاغذ پر
کچھ ابھرے نقش نگاری سے

کیوں بات بڑھانا چاہتے ہو
تم اپنی کم گفتاری سے

اظہر ہم دور کے چوروں کو
ہلکا بہتر ہے بھاری سے

ایسی خوش قسمتی کا کیا کیجے
تو نہیں تو کسی کا کیا کیجے

ہاتھ پتھر سے ہو گئے مانوس
شوقِ کوزہ گری کا کیا کیجے

اب تو اقرار بھی نہیں درکار
اب تری خامشی کا کیا کیجے

میرا شوقِ طلب ہی اتنا ہے
تیری دریادلی کا کیا کیجے

کچھ نہیں دے رہا سجھائی ہمیں
اس قدر روشنی کا کیا کیجے

آئنہ ڈھانپیے اگر بالفرض
دوسرے آدمی کا کیا کیجے

کوئی سلسلہ نہیں جاوداں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی
میں تو ہر طرح سے ہوں رائگاں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

مرے ہم نفس تو چراغ تھا تجھے کیا خبر مرے حال کی
کہ جیا میں کیسے دھواں دھواں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

نہ ترا وصال وصال تھا نہ تری جدائی جدائی ہے
وہی حالتِ دلِ بدگماں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

میں یہ چاہتا ہوں کہ عمر بھر رہے تشنگی مرے عشق میں
کوئی جستجو رہے درمیاں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

مرے نقشِ پا تجھے دیکھ کر یہ جو چل رہے ہیں انہیں بتا
ہے مرا سراغ مرا نشاں ترے ساتھ بھی ترے بعد بھی

بپا یہ ظلم کسی حال میں نہیں کرتے
گھروں کے فیصلے چوپال میں نہیں کرتے

ہمارے ہاتھ کی ریکھاؤں میں خلل ہوگا
پرندے دھوکہ اگر فال میں نہیں کرتے

محبت اپنی جگہ بام و در سے میرے عزیز
مگر یہ تجربہ بھونچال میں نہیں کرتے

ہم اپنی نیکی سمجھتے تو ہیں تجھے لیکن
شمار نامہء اعمال میں نہیں کرتے

یہ رات جتنے فسانوں کی مرتکب ہے فراغ
گناہ اتنے تو ہم سال میں نہیں کرتے

بہت ہی مہنگی مجھے اپنی زندگانی پڑی
وہ اس لئے کہ ترے ہجر میں بتانی پڑی

کچھ اتنا سہل نہ تھا روشنی سے بھر جانا
نظر دیے پہ بڑی دیر تک جمانی پڑی

خطوں کو کھولتی دیمک کا شکریہ ورنہ
تڑپ رہی تھی لفافوں میں بے زبانی پڑی

قدم قدم پہ ہزیمت کا سامنا ہے مجھے
قدم قدم پہ اگرچہ ہے کامرانی پڑی

مری انا کے تقاضے نہ ہو سکے پورے
میں سر اٹھا کے چلا تو نظر جھکانی پڑی

پرانے غم پہ نئی مے ہے بے اثر اظہر
کہیں سے ڈھونڈ کے لائے کوئی پرانی پڑی

کوششیں کر کے دل بڑا کیا تھا
اس پرندے کو جب رہا کیا تھا

ہم سے سرزد ہوا تھا کارِ خیر
کیا بتائیں کہ ہم نے کیا کیا تھا

میں نے اک دن بٹھا کے بچوں کو
اپنے اجداد کا گلہ کیا تھا

کم اذیت میں جان چھوٹ گئی
اپنے قاتل سے مشورہ کیا تھا

خاک سے جتنا زہر جذب کیا
اپنی شاخوں سے رونما کیا تھا

ویسے وہ میری دسترس میں تھا
احتیاطاً محاصرہ کیا تھا

❀

اس لیے مجھ کو میسر تو کہیں بھی نہیں ہے
خواب تو خواب حقیقت کا یقیں بھی نہیں ہے

ہم تو دریا کو بھی مجرم نہیں ٹھہرا سکتے
ڈوبنے والا کنارے کے قریں بھی نہیں ہے

ہائے اس شخص کا ایمان کہ کافر کر دے
بدعقیدہ بھی ہے اور منکرِ دیں بھی نہیں ہے

کیجئے کیسے بھلا اس کے تغافل کا ملال
حسنِ انکار تو یہ ہے کہ نہیں بھی نہیں ہے

تم تو کہتے تھے کہ افلاک کشادہ ہوں گے
پاؤں دھرنے کو یہاں پر تو زمیں بھی نہیں ہے

چاہے آغاز اب انجام سے کرنا پڑ جائے
جی اٹھیں ہمکو اگر آپ پہ مرنا پڑ جائے

بھیگے بالوں کو سنبھال اور نکل جنگل سے
اس سے پہلے کہ ترے پاؤں یہ جھرنا پڑ جائے

کٹ کے جینا ہے تری ذات سے ایسے جیسے
خود بخود ہوتے ہوئے کام کو کرنا پڑ جائے

کچھ ٹھہرتا نہیں اس ٹوٹے ہوئے برتن میں
دل دوبارہ نہ کہیں چاک پہ دھرنا پڑ جائے

کتنا مشکل ہے اگر کوئی محبت سے مجھے
کارِ دنیا کے ارادے سے گزرنا پڑ جائے

اسی منظر کو پھر دوبارہ بنا
جھیل کے وسط میں کنارہ بنا

چھاؤں کا حق ادا کیا میں نے
گرتی دیوار کا سہارا بنا

ہم ابھی ممکنات سوچتے تھے
دیکھتے دیکھتے نظارہ بنا

ایک چھتری کی چھاؤں میں بیٹھے
کچھ ہمارا نہ کچھ تمھارا بنا

ہم محبت سمجھ رہے تھے جسے
اپنی خاطر کوئی ہمارا بنا

آتش نارسا نہ یاد رہی
ہاتھ ملتے ہوئے شرارہ بنا

چہرہ پھولوں کی طرح دھیان میں رکھا گیا ہے
اس کی تصویر کو گلدان میں رکھا گیا ہے

اس غرض سے کہ مری واپسی ممکن ہو جائے
ایک تعویذ بھی سامان میں رکھا گیا ہے

حکمِ اقرارِ اطاعت ہے. بہت بعد کی بات
کفر پہلے مرے ایمان میں رکھا گیا ہے

مر گئے جس کے بھروسے پہ جری، وہ مرہم
زخمیوں کے لیے میدان میں رکھا گیا ہے

رستہ چھوڑا ہی نہیں اس نے کوئی میرے لیے
یعنی پنجرہ مرا زندان میں رکھا گیا ہے

کس کس سے کر کے اس کو خبردار جانے دوں
اندھے کو کیسے تنہا سڑک پار جانے دوں

دفتر سے مل نہیں رہی چھٹی وگرنہ میں
بارش کی ایک بوند نہ بے کار جانے دوں

جی چاہتا ہے کھول دوں اندر سے کنڈیاں
ویرانی سوئے رونق بازار جانے دوں

اس رسہ کشی پہ ڈھیل کا احسان کچھ نہیں
کب تک میں درگزر کروں ہر بار جانے دوں

کیوں نہ بے فکر ہو کے سویا جائے
اب بچا کیا ہے جس کو کھویا جائے

ایک فہرستِ رفتگاں ہے میاں
رویا جائے تو کس کو رویا جائے

استفادہ عقب کے پانی سے
اور منہ آئنے سے دھویا جائے

میں تو خود سے فرار چاہتا ہوں
خود میں تجھ کو کہاں سمویا جائے

کوئی تو نام ہو تعلق کا
کس حوالے سے بوجھ ڈھویا جائے

ہم ضروری نہیں سمجھتے فراغ
عشق تسبیح میں پرویا جائے

ہر شیشے کا ڈر ہے بھیا
بچوں والا گھر ہے بھیا

عینک کا واویلا کرنا
ٹھوکر سے بہتر ہے بھیا

بس تم اپنے خواب سمیٹو
جس کا بھی بستر ہے بھیا

بھابی کے کنگن تھوڑی ہیں
بہنوں کا زیور ہے بھیا

میں جو تم کو خوش دکھتا ہوں
پردے کی جھالر ہے بھیا

سوچا ہے کیا معاوضہ سائے کا آپ نے
کہہ تو دیا شجر کو کرائے کا آپ نے

لگتا ہے واپسی کا ارادہ نہیں رہا
نقشہ بدل دیا ہے سرائے کا آپ نے

اپنی جگہ بجا ہے کہانی کا اختتام
مطلب غلط لیا ہے کنائے کا آپ نے

شاہی نہیں ہے منصبِ ساقی ہے یہ جناب
رکھا ہے فرق اپنے پرائے کا آپ نے

احمق لگے ہوئے ہیں عبث بھاگ دوڑ میں
دامن بھرا ہے بیٹھے بٹھائے کا آپ نے

اٹھ گیا رزق لا مکاں سے بھی
اب چلا جائے کیا یہاں سے بھی

ہونے والا نہیں یہ قصہ تمام
موڑ دیجے ورق جہاں سے بھی

پھول تیروں کی زد سے بچ نکلا
خوشبو آنے لگی کماں سے بھی

شکل آئندگاں بنا رہے ہیں
مشورہ ہو گا رفتگاں سے بھی

جانثاروں کو پوچھنا ہی پڑا
کمک آئے گی آسماں سے بھی

وقتِ آغاز و اختتام کے عشق
آ کریں تجھ کو درمیاں سے بھی

اتنا معصوم بھی نہیں ہے وہ
دینے پڑتے ہیں اس کو جھانسے بھی

تمام الفاظ کے معانی بدل گئے ہیں
وہ اپنے چہرے پہ سو گئی ہے کتاب رکھ کر

یہی نہیں کہ یہ تعبیر کا معاملہ ہے
ہمارے خواب کی توقیر کا معاملہ ہے

چلا تو لیتا میں کام ایک آدھ اشک سے بھی
مگر یہاں غمِ شبیر کا معاملہ ہے

اسے بھی اس کے مسائل نے روک رکھا ہے
ہمارے ساتھ بھی تقدیر کا معاملہ ہے

کرے تو کیسے کرے بھائی بھائی کو تسلیم
یہ خون کا نہیں جاگیر کا معاملہ ہے

تمہاری ذات کے ملبے کا کیا کروں گا میں
جہاں تلک مری تعمیر کا معاملہ ہے

معاصرینِ غزل سے معافی چاہتا ہوں
یہ حرمتِ ہنرِ میر کا معاملہ ہے

کیا کچھ نہیں تھا بس میں مگر دل نہیں کیا
کھونے کے خوف سے اسے حاصل نہیں کیا

محسوس کر لیا تھا بھنور کی تھکان کو
یونہی تو خود کو رقص پہ مائل نہیں کیا

خود پر حرام سمجھا ثمر کے حصول کو
جب تک شجر کو چھاؤں کے قابل نہیں کیا

چھو کر وہ خال و خد گئے کوزہ گری کو ہم
تاثیرِ لمس یار کو زائل نہیں کیا

جاگے ہوؤں سے بڑھ کے ہمیں باخبر سمجھ
ہمکو ہماری نیند نے غافل نہیں کیا

❀

کتنا کہتے تھے تجھے بھائی سمجھ
آئی یا اب بھی نہیں آئی سمجھ

پر کشائی میں بنے ہوں گے صلیب
ان پرندوں کو نہ عیسائی سمجھ

کھلے پنجرے کی سہولت پہ نہ جا
مری غفلت مری دانائی سمجھ

شعر کے لوگ نہیں شور کے لوگ
تو بھلے اس کو پزیرائی سمجھ

چاہے مت کر مجھے اپنوں میں شمار
اپنی تنہائی کو تنہائی سمجھ

عمر مت پوچھ کنویں کی اظہر
چھو کے کوزوں پہ جمی کائی سمجھ

جتنے دن چاہے وہ آ کر یہاں مہمان رہے
سر پہ، ہم اس کا اٹھانے سے تو سامان رہے

کل اثاثے کی میاں ایک ہی گٹھڑی نہ بنا
تا کہ ہر ٹوٹی ہوئی چیز کی پہچان رہے

تجھ سے درکار محبت ہے محبت کے عوض
میں نہیں چاہتا تجھ پر کوئی احسان رہے

موسمِ ہجر میں پھولوں کی عمل داری نہ تھی
اک اذیت میں مری میز پہ گلدان رہے

جس طرح زندگی بیمار کا بستر ہو فراغ
آدمی اپنی ہی کروٹ سے پریشان رہے

خاک اب ٹوٹے رشتے میں مضبوطی پہلے والی ہے
پھر لگتا ہے اس مصرعے پر گرہ لگانے والی ہے

کھڑکی سے دکھتے پیڑوں کی سست روی سے لگتا ہے
اگلا سفر ہمیں کرنا ہے گاڑی رکنے والی ہے

ندی کنارے وقت بتانے والوں کو سمجھائے کون
اک پاگل کی کاغذی کشتی کھول کے پڑھنے والی ہے

آنکھوں کے انبار لگے ہیں نیم کھلے دروازوں میں
جیسے گاؤں کی گلیوں سے بارات گزرنے والی ہے

دھیرے دھیرے تان رہے ہیں ہم بھی کمبل چہرے پر
ٹی وی کی آواز کو وہ بھی مدھم کرنے والی ہے

شرم نہیں آتی کیا تم کو عشق کی دعوے داری پر
باتیں دشت نوردی کی اور خواہش خیمے والی ہے

گھاس سمجھ کر آپ ہرے قالین پہ اپنے پاؤں دھریں
باغ کی گنجائش بھی بالکل میرے کمرے والی ہے

گرچہ بہتات میں دیا گیا ہے
حق بھی خیرات میں دیا گیا ہے

دیواریں چھوٹی ہوتی تھیں لیکن پردہ ہوتا تھا
تالے کی ایجاد سے پہلے صرف بھروسا ہوتا تھا

کبھی کبھی آتی تھی پہلے وصل کی لذّت اندر تک
بارش ترچھی پڑتی تھی تو کمرا گیلا ہوتا تھا

شکر کرو تم اس بستی میں بھی اسکول کھُلا، ورنہ
مر جانے کے بعد کسی کا سپنا پورا ہوتا تھا

جب تک ماتھا چوم کے رخصت کرنے والی زندہ تھی
دروازے سے باہَر تک بھی منہ میں لقمہ ہوتا تھا

بَھلے زمانے تھے جب شعر سہولت سے ہو جاتے تھے
نئے سخن کے نام پہ اظہرؔ میرؔ کا چربہ ہوتا تھا

مل گیا تو مجھے میرا نہیں رہنے دے گا
وہ سمندر مجھے قطرہ نہیں رہنے دے گا

اس کو شک ہے کہ بھنور سے ہیں مراسم میرے
اب وہ پانی پہ سفینہ نہیں رہنے دے گا

مجھ کو معلوم تھا آسانی سے کھلتا ہوا در
واپسی کے لیے رستہ نہیں رہنے دے گا

لمحہ بھر کار جہاں بچھڑے ہوئے یاروں کو
جوڑ بھی دے گا تو یکجا نہیں رہنے دے گا

حسب حاصل کہیں موجود نہ ہونا میرا
سب کا ہو کر بھی کسی کا نہیں رہنے دے گا

تو جو حق میں مرے تلوار بنا پھرتا ہے
رہنے بھی دے گا مجھے یا نہیں رہنے دے گا

اس لب کی خامشی کے سبب ٹوٹتا ہوں میں
دست دعا میں رکھا ہوا آئنہ ہوں میں

اب جا کے ہو سکے گی محبت وثوق سے
خود سے بچھڑتے وقت کسی سے ملا ہوں میں

آباد ہے خزانے کی افواہ سے وجود
متروک جنگلوں کا کوئی راستہ ہوں میں

دستار کاغذی ہے فضیلت ہے نام کی
چھوٹوں کی مہربانی سے گھر میں بڑا ہوں میں

رو کر نہ سویا جائے تو کیا نیند کا جواز
بستر کی ہر شکن میں پڑا جاگتا ہوں میں

ہوں اپنی روشنی کی اذیت میں مبتلا
جلتا ہوا چراغ ہوں الٹا پڑا ہوں میں

وہ جو اک شخص تھا اک ذات تھی ویسے نہیں تھی
خواب میں اس سے ملاقات تھی ویسے نہیں تھی

میں نے تاخیر کو تدبیر بنا رکھا تھا
چال چلتے ہی مری مات تھی ویسے نہیں تھی

سب مرے حسنِ تخیل کا بنایا ہوا تھا
زندگی حسبِ خیالات تھی ویسے نہیں تھی

میرا رونا کوئی اشکوں کا دکھاوا نہیں تھا
اندر اندر کوئی برسات تھی ویسے نہیں تھی

کسی بھی چیز کو چھونے کی اجازت نہ ملی
نظر آتا تھا کہ بہتات تھی ویسے نہیں تھی

مجھ کو مطلوب و میسر کہ دروں رہنا تھا
اک سخاوت پس خیرات تھی ویسے نہیں تھی

عمر ہم لوگ کہاں کاٹتے ہیں
درد کا کوہ گراں کاٹتے ہیں

تم بسر روشنی کرتے جاؤ
ہم چراغوں کا دھواں کاٹتے ہیں

عشق وہ بانجھ زمیں ہے جس پر
سود بوتے ہیں زیاں کاٹتے ہیں

خود ہی پڑھتے ہیں قصیدے اس کے
خود ہی دانتوں سے زباں کاٹتے ہیں

کوئی سازش ہے درون پردہ
تیر اپنی ہی کماں کاٹتے ہیں

زور دریا کی تسلی کے لیے
موجۂ آب رواں کاٹتے ہیں

روز محشر کی سزائیں بھی فراغ
ہم گنہگار یہاں کاٹتے ہیں

بھیڑ میں گم ہو گئے ہم اپنی انگلی چھوڑ کر
منفرد ہونے کی دھن میں اوروں جیسے ہو گئے

کوئی بھی شکل مرے دل میں اتر سکتی ہے
اک رفاقت میں کہاں عمر گزر سکتی ہے

تجھ سے کچھ اور تعلق بھی ضروری ہے مرا
یہ محبت تو کسی وقت بھی مر سکتی ہے

میری خواہش ہے کہ پھولوں سے تجھے فتح کروں
ورنہ یہ کام تو تلوار بھی کر سکتی ہے

ہو اگر موج میں ہم جیسا کوئی اندھا فقیر
ایک سکے سے بھی تقدیر سنور سکتی ہے

صبح دم سرخ اجالا ہے کھلے پانی میں
چاند کی لاش کہیں سے بھی ابھر سکتی ہے

ہر شیشے کا ڈر ہے بھیا
بچوں والا گھر ہے بھیا

عینک کا واویلا کرنا
ٹھوکر سے بہتر ہے بھیا

بس تم اپنے خواب سمیٹو
جس کا بھی بستر ہے بھیا

کھڑکی کے منظر سے اچھی
پردے کی جھالر ہے بھیا

بھابی کے کنگن تھوڑی ہیں
بہنوں کا زیور ہے بھیا

آدھا آدھا رو لیتے ہیں
ایک ٹشو پیپر ہے بھیا

سب کو تھوڑی مرا یقیں آیا
کوئی آیا کوئی نہیں آیا

نئی گنجائش سکوں نکلی
صوفہ دیوار کے قریں آیا

آ گئی نیند مجھ کو سجدے میں
گال تک حلقۂ جبیں آیا

ریت اڑتی ہوئی کہیں پہنچی
پانی رستا ہوا کہیں آیا

پارساؤں کو کیا تمیز بتاں
ہاتھ جس کے جو مہ جبیں آیا

خوش تھے اس کی خوشی میں ہم اظہر
پھر خیالِ دلِ حزیں آیا

نظر کی حد سے نکل کر جمال دیکھنا تھا
جو دیکھنا تھا پس خد و خال دیکھنا تھا

کسی کو چاہنا آسان ہو گیا ہوتا
ہماری سامنے رکھ کر مثال دیکھنا تھا

پڑے ہوئے تھے جہاں ڈھیروں ڈھیر نذرانے
تہی بھی تھا تو مرا کس نے تھال دیکھنا تھا

تمہارے ہجر سے دو چار کون تھا جو نہ تھا
ہمارے دیکھنے والوں کا حال دیکھنا تھا

معاملے جہاں اپنی بقا کے تھے درپیش
کسی نے خاک حلال و حرام دیکھنا تھا

فردیات

اتنی اجرت پہ مت بضد رہیے
اور بھی لوگ کام جانتے ہیں

❀

اس کی مٹھی میں گرفتار ہیں ہم ریت کی مثل
رکتے رکتے بھی روانی سے نکل آئیں گے

❀

مجھ کو پانی کے رویے سے ہوا اندازہ
میں نے دیکھے نہیں ڈوبے ہوئے تیراک کے زخم

عرضِ ناشر

وراق پبلی کیشنز، ادبی تنظیم مجلس وراق کا اشاعتی ادارہ ہے جو غیر کاروباری بنیادوں پر بغیر نفع ونقصان کے کام کر رہا ہے، وراق کا مقصد علم وادب کی ترویج اور معاشرے میں کتاب دوستی کا فروغ ہے، اگر آپ غور فرمائیں تو کتابوں کی قیمتوں اور معیار نے قاری کو کتاب سے دور کر دیا ہے، ایسے عالم میں مجلس وراق نے فیصلہ کیا کہ ایک اشاعتی ادارہ بنایا جائے جس کی ایک کمیٹی ہو جو شائع ہونے کے لائق کتابوں کا معیار قائم کرے اور سستی کتابیں شائع کرے، اس سلسلے میں ہم لکھاری سے خود رابطہ کرتے ہیں اور اس کی تخلیقات بغیر کسی معاوضے کے شائع کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے سب سے بڑا مسئلہ کتاب کا مہنگا ہونا تھا اور ہم چاہتے تھے کہ کتاب اتنی سستی کر دی جائے کہ ایک طالب علم بھی خرید سکے، اس مسئلے کے حل کے لیے ہمیں ڈسٹری بیوٹرز اور بک سیلرز کے منافع میں سے شرح منافع کم کرنا پڑی، اس عمل کے بعد ظاہر ہے ہم مارکیٹ کے مقابلے پر پورا نہیں اتر سکتے تھے لہٰذا فی الحال ہم نے مارکیٹ کو اس کی پالیسی کے مطابق چلنے دیا ہے اور ایک ریڈر کلب تشکیل دیا ہے تاکہ ہمارے ممبرز کم سے کم قیمت پر کتاب حاصل کر سکیں اور یوں ہم اپنے ممبرز کو 100 روپے میں فی کتاب دینے میں کامیاب ہو گئے، آج اللہ سائیں کا شکر ہے کہ ہمارے کلب کے ممبرز کی تعداد 300 کے قریب ہے۔

معزز قاری! کتاب دوستی کے جس مشن کو لے کر ہم چلے ہیں اس میں ہمیں آپ کا ساتھ چاہئے ہمارا ٹارگٹ 2000 ممبرز کا ہے جس کے بعد ہم لکھاری کو بھی رائلٹی دینے کے قابل ہو جائیں گے جو کہ علمی خدمت ہوگی، آپ سے گزارش ہے کہ اپنے قریبی دوستوں کو بھی کتاب دوستی کے اس مشن میں شامل فرمائیں اور ان تک معیاری ادب پہنچانے کا باعث بنیں ان شاءاللہ ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے وراق سے چھپنے والی ہر کتاب تاریخی حیثیت کی حامل ہوگی۔

راول حسین

25، سیکنڈ فلور، تاج آرکیڈ، بالمقابل سروسز ہسپتال لاہور۔